علامہ فضل حق خیر آبادی
قدس سرہ العزیز

تحریر:

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم اے، پی ایچ ڈی (اعزاز فضیلت)

WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشر
رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

علامہ فضل حق خیر آبادی

قدس سرہٗ العزیز

تحریر

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم اے، پی ایچ ڈی (اعزاز فضیلت)

نفس اسلام
Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشر

رضا اکیڈمی ○ لاہور

سلسلہ کتب ۱۹۹

کتاب: .... ''علامہ فضل حق خیر آباد (رحمہ اللہ تعالیٰ)''

مولف: .... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔اے، پی ایچ ڈی

ترجمہ: .... علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

صفحات: 32

اشاعت اول: .... شعبان المبارک 1423ھ/2002ء

مطبع: .... احمد سجاد آرٹ پریس، لاہور فون: 7357159

ناشر: .... رضا اکیڈمی لاہور

ہدیہ: .... دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی لاہور

نوٹ

بیرون جات کے حضرات بیس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)

محبوب روڈ۔ رضا چوک۔ مسجد رضا۔ چاہ میراں فون: 7650440

لاہور نمبر ۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کا ماضی بڑا تابناک ہے۔ یہاں بڑی بڑی نامور شخصیات نے جنم لیا، انہی قدسی نفس حضرات میں سے علامہ فضل حق خیر آبادی کی شخصیت بھی ہے۔ جنہوں نے علم وفضل کی دنیا میں نام کمایا، عربی شاعری میں سکہ منوایا، اور جب مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالا گیا تو آپ نے بڑی جرأت سے دین میں پیدا ہونے والے نئے فتنے کا رد کیا، اور جب مسلمانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے انگریزوں کی سازشیں اپنے عروج پر پہنچیں تو علامہ فضل حق خیر آبادی نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر بہادر شاہ ظفر، اور حریت پسندوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ ناکامی کی صورت میں انجام کیا ہوگا؟ لیکن انہوں نے قدم پیچھے ہٹانے اور غلامی کی زندگی قبول کرنے کی بجائے عزت اور شہادت کی موت کو قبول کیا۔ یہ سب ایسے حقائق ہیں جنہیں حسد اور بغض کے مارے بعض لوگوں نے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن جب تک آبروئے قلم مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ' جیسے انصاف پسند محققین موجود ہیں پھونکوں سے آفتاب علم وحکمت کو بجھانے کی کوشش کرنے والے اپنی مذموم کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

حضرت پروفیسر صاحب جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، انتہائی متانت سے اس کا حق ادا کرتے ہیں، انہوں نے حضرت علامہ کی شخصیت کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور انہیں اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ انہوں نے ایک ایسی مظلوم شخصیت پر

کام کیا ہے جسے کفار کے علاوہ کلمہ پڑھنے والوں نے بھی طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا، اللہ تعالیٰ حضرت مسعود ملت کا سایہ اہل سنت کے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی پر اس وقت پاکستان ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے علاوہ عالم اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعۃ الأزہر میں بھی کام ہو رہا ہے، عزیز القدر ممتاز احمد سدیدی الأزہر یونیورسٹی میں علامہ کی عربی شاعری کے حوالے سے (پی ایچ ڈی) کا مقالہ لکھ رہے ہیں، جبکہ مولانا علامہ حافظ عبدالواحد ''علم الکلام میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی آراء'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں۔

ہندوستان کی کرناٹک یونیورسٹی میں مولانا محمد احمد علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات وخدمات کے حوالے سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں۔ جبکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب کی زیر نگرانی محترمہ سلمٰی سیہول پی ایچ ڈی کے لئے علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری کی تدوین اور تحقیق کر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب تحقیقی کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے، اور علامہ فضل حق خیر آبادی پر کام کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

یاد رہے کہ علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری اس سے پہلے ۱۹۹۹ء میں ''الشیخ احمد رضا خان شاعرا عربیا'' کے عنوان پر مقالہ لکھ کر جامعہ ازہر شریف سے ایم فل کی ڈگری بدرجۂ ممتاز حاصل کر چکے ہیں، یہ مقالہ 720 صفحات پر مشتمل ہے اور عربی میں مؤسسۃ الشرف، لاہور سے چھپ چکا ہے۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۵ رجب ۱۴۲۳ھ

۱۳ ستمبر ۲۰۰۲ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ ٥ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ ٥

علامہ فضل حق خیر آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی (م۔ ۸۔ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء) خیر آباد (یو پی۔ انڈیا) ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد علامہ فضل امام خیر آبادی (م۔ ۱۲۴۴ھ/ ۹۔ ۱۸۲۸ء) عالم و فاضل اور صاحب تصنیف بزرگ تھے، مفتی صدرالدین آزردہ (م۔ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) آپ ہی کے شاگرد تھے، دہلی میں صدرالصدور کے عہدہ پر فائز رہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے والد ماجد علامہ فضل امام خیر آبادی، شاہ عبدالعزیز محدث[1] دہلوی (م۔ ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (م۔ ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۸ء) وغیرہ سے ۱۸۰۹ء میں ۱۳ سال کی عمر میں درسیات سے فارغ ہوئے، پھر خود استادِ کامل بن گئے، آپ کے تلامذہ میں شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا خیرالدین دہلوی، مولانا ہدایت اللہ رامپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا عبدالحق خیر آبادی جیسے فضلاء تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں شاہ دھومن دہلوی سے بیعت ہوئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے، علومِ عقلیہ کے مُسلّم الثبوت استاد تھے بلکہ مجتہد و امام تھے، علاّمہ موصوف اپنے مشہور قصیدۂ ہمزیہ میں تحدیث نعمت کے طور پر اپنے علم و فضل کا اس انداز سے ذکر کرتے ہیں:

---

[1]۔ اوائل عمر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں ملاحظہ کیلئے ایک عربی قصیدہ پیش کیا، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا، علامہ نے شعرائے متقدمین کے بیس اشعار سنا دئے اور شاہ صاحب نے اپنا تسامح تسلیم کیا۔ مسعود

اللہ أقنانی علوما یقتنی ۔۔۔ منها علوما جمة علماء [1]

(ترجمہ:) اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علوم عطا کئے کہ ان میں سے بہت کچھ علماء نے حاصل کئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی معقولات کے استاد تو تھے ہی مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ عربی کے بے مثال ناظم وناثر بھی تھے، بیک وقت شعر کی نزاکتوں اور فلسفے کی باریکیوں اور گہرائیوں سے آگاہ تھے، شاعری میں عربی، فارسی اور اردو ادب پر گہری نظر تھی۔ معقولات وادبیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن یہ دونوں علوم حیرت انگیز طور پر علامہ فضل حق خیر آبادی میں جمع ہو گئے تھے۔ ادب میں وہ کمال حاصل تھا جس کو آج تک ماہرینِ فن تسلیم کرتے چلے آئے ہیں، عبارت ایسی لکھتے جس کی مثال علمائے ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۔۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (م۔۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) اور امام احمد رضا محدث بریلوی [2] (م۔۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے بعد نظر نہیں آتی۔ اصحاب علم وفضل اور ارباب شعر وادب دور دور سے اپنی تصنیفات اور منظومات اصلاح کیلئے ان کی خدمت میں ارسال کرتے تھے اور نامور علماء اپنی تصانیف پر تقاریظ لکھواتے تھے۔ علامہ نے فخریہ طور پر اپنی شعری نگارشات کا ذکر ایک جگہ یوں فرمایا ہے:

ونبذا مما أصابنی فی قصیدتین إحدٰهما همزیة تحکی همزات الشیاطین والأخرٰی دالیة دالة علی ما یعانی هذا الحزین الزمین ــــ

---

[1] محمد فضل حق خیر آبادی: الثورۃ الہندیہ، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص ۳۰۷ (طبع ثالث)

[2] امام احمد رضا محدث بریلوی کا عربی کلام "بساتین الغفران" کے عنوان سے ازہر یونیورسٹی، قاہرہ کے مصری فاضل ڈاکٹر حازم محفوظ نے مرتب کیا ہے (مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۷ء) موصوف ہی نے اردو کلام "حدائق بخشش" کا عربی میں منثور ترجمہ کیا پھر مصر کے مشہور فاضل ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے عربی میں اس کو منظوم کیا۔ یہ ترجمہ "صفوۃ المدیح" کے عنوان سے قاہرہ سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہو گیا ہے۔ اس طرح امام احمد رضا محدث بریلوی کے مشہور سلام کو پروفیسر ڈاکٹر حازم محفوظ مصری نے عربی نثر میں منتقل کیا، پھر اس کو مصر کے مشہور فاضل ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے عربی نظم میں منتقل کیا۔ یہ منظوم ترجمہ بعنوان "المنظومۃ السلامیہ فی مدح خیر البریۃ" ۱۹۹۹ء میں قاہرہ سے شائع ہو گیا ہے۔ (مسعود)

وكنت قد نظمت قبلُ قصيدة في قوافي النون فريدة كالدر المكنون
ـــــعدد أبياتها ثلاثمائة أو يزيد ولم يستيسر لي إتمامها[1]

ترجمہ: ''دو قصیدے لکھے ایک ہمزیہ دوسرا دالیہ، ایک اور نون کے قافئے میں لکھا تھا جو دُرِ یتیم کی طرح یگانہ ہے، اس کے تین سو سے زیادہ اشعار ہو گئے تکمیل کی نوبت نہ آئی۔''

علامہ فضل حق خیر آبادی نے ایام اسارت میں یہ قصائد قلمبند کئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعر گوئی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ان کی شاعری کا موضوع رسُولِ کریم ﷺ کی مدح سرائی ہے، وہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصائد کی پیروی میں اپنے نعتیہ قصائد کا آغاز غزل سے کرتے ہیں۔ انہوں نے اس وقت عربی میں نعت لکھی جب عربی اور فارسی کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی جارہی تھی اور انگریزوں کے غلبے کی وجہ سے انگریزی زبان وادب کے گن گائے جانے لگے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس طرح بڑھائی جارہی تھی کہ حضور انور ﷺ کی شان معاذ اللہ گھٹتی نظر آئے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے قصیدۂ دالیہ میں ایک جگہ ملکۂ وکٹوریہ کی طرف سے نصرانیت کی تبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

همت بتنصيرهم قبلا وهم شيع من مسلمين ومن عبّاد ابداد[2]

''اُس (ملکہ) نے پہلے تو مسلمانوں اور بت پرستوں کی جماعتوں کو نصرانی بنانے کا قصد کیا۔''

مولانا رحمٰن علی نے لکھا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا کلام چار ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔[3]

---

[1] الثورۃ الھندیہ، ص ۲۹۷۔۲۹۸ (ملخصاً)

[2] الثورۃ الھندیہ، ص ۳۱۹

[3] رحمان علی، مولوی: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء، (ترجمہ اردو) ص ۳۔۳۸۲

○

علامہ فضل حق خیر آبادی کے مرزا غالبؔ سے بہت گہرے مراسم تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہاں غالب کا بہت آنا جانا تھا، غالب علامہ کے علم وفضل سے بہت ہی متاثر تھے۔ایک خط میں انہوں نے علامہ کو ''فاضلِ بے نظیر ویگانہ'' کے خطاب سے یاد کیا ہے[1]۔پچیس سال کی عمر میں غالبؔ، علامہ فضل حق خیر آبادی کے حلقۂ اثر میں تھے، غالب کی اردو شاعری میں سہل پسندی بھی علامہ ہی کے اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔اس زمانے میں علامہ فضل حق خیر آبادی دہلی سول کورٹ میں ریڈر تھے۔غالبؔ پر علامہ کا اتنا اثر ہوا کہ علامہ کے تعلقات سے پہلے کہی ہوئی دو سو اڑسٹھ غزلیات جو ایک ہزار چار سو اٹھانوے اشعار پر مسودے کی شکل میں محفوظ تھیں قلم زد کر دیں۔ان غزلیات کو بعد میں مفتی انوار الحق نے دریافت کر کے ایڈٹ کیا۔اس پر ڈاکٹر عبدالرحمان بنوری نے مقدمہ لکھا۔ابتدائی زمانے کے اس مجموعے کو نسخۂ حمیدیہ کہا جاتا ہے ـــــ جو بھوپال کے نواب حمید اللہ خان کے نام پر معنون ہے۔یہ نسخہ ۱۹۱۹ء میں پہلی بار شائع ہوا۔

مرزا غالبؔ نے ۲۸/جنوری ۱۸۵۷ء کو علامہ کے ایماء پر نواب رامپور کے نام ایک قصیدہ بھی بھیجا تھا، جو علامہ نے اپنی سفارش کے ساتھ نواب صاحب کو پیش کیا۔پھر ۵/فروری ۱۸۵۷ء کو نواب صاحب نے اصلاح کیلئے اپنی غزلیں غالبؔ کو بھیجیں مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کی وجہ سے تعلقات متزلزل ہو گئے۔

○

علامہ فضل حق خیر آبادی صحیح العقیدہ سُنّی، حنفی تھے۔ان کا مسلک مولوی اسماعیل دہلوی (م۔۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء) کے علمی تعاقب سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد ایوب قادری: ''مولوی فضل حق خیر آبادی'' دورِ ملازمت ـــــ بحوالہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی مرتبہ محمد سعید الرحمٰن علوی مطبوعہ لاہور، ص ۹۵۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے مسئلۂ امکانِ کذب اور امتناعِ نظیر کی بحث چھیڑی تو علامہ نے تحریر اور تقریر کے ذریعے اسکا پُرزور رد کیا۔ مولوی اسماعیل کی مشہور کتاب تقویۃ الایمان (قبل ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء) کے جواب میں تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء) لکھی اور مسئلۂ شفاعت، امکانِ کذب اور امتناعِ نظیر پر مدلل بحث فرمائی۔ مقامِ اول میں شفاعت کا ذکر ہے، مقامِ ثانی میں تقویۃ الایمان کی گستاخانہ عبارات کا رد ہے، مقامِ ثالث میں تقویۃ الایمان کی عبارات تنقیصِ شانِ رسالتمآب کا رد ہے، مقامِ رابع میں بتایا ہے حُبِّ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ایمان مکمل نہیں پھر خلاصۂ فتویٰ ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے تقویۃ الایمان کی بعض گستاخانہ عبارات پر تکفیر فرمائی۔ اور یہ فتویٰ دیا:

''اس بے ہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر و بے دین ہے اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے۔''[۱]

''سر سید احمد خاں نے مولوی سید احمد بریلوی، مولوی اسماعیل دہلوی کیلئے لفظِ ''وہابی'' استعمال کیا اور لکھا ہے کہ سکھوں اور مسلمانوں دونوں نے مل کر اِن کو قتل کیا۔''[۲]

اس طرح ۱۸۲۵ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی نے جو فتویٰ دیا تھا۔ ۱۸۳۱ء میں اس پر عمل ہو گیا۔[۳]

جیسا کہ عرض کیا گیا علامہ فضل حق خیر آبادی کے مرزا غالب (م۔ ۱۲۸۵ھ/

۱۔ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔ ص ۲۴۷

۲۔ سر سیّد احمد خاں: مقالاتِ سر سیّد، مطبوعہ لاہور حصہ نہم، ص ۱۳۹، ۱۴۰۔

۳۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے مولوی اسماعیل دہلوی کی توبہ کی شہرت کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں فرمائی بلکہ سکوت کا حکم دیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکمِ کفر جاری کرتے ڈریں گے۔

(سل السیوف الھندیہ علی کفریات بابا النجدیہ مطبوعہ رضویہ کتب خانہ بریلی، ص ۲۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۸۶۹ء) سے خصوصی مراسم تھے، علامہ کی فرمائش پر مرزا غالب نے امتناعِ نظیر خاتم النبیین پر ایک مثنوی لکھی۔ یہ عجیب بات ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور علامہ فضل رسول بدایونی (م۔ ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) مولوی اسماعیل دہلوی کے خلاف تھے، لیکن انگریز نہ مولوی اسماعیل کے خلاف تھے نہ مولوی اسماعیل انگریزوں کے خلاف تھے۔ گو مشہور یہی کیا گیا کہ مولوی اسماعیل نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ بقول مولوی حسین احمد دیوبندی (م۔ ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) جنگ کی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں انگریزوں نے سیّد صاحب کی مدد کی۔[1] اور بقول محمد جعفر تھانیسری انگریزوں کی دعوت میں مولوی اسماعیل گئے۔ دس ہزار میم صاحب اور صاحب لوگ آپ کے وعظ سننے کو جمع ہوئے۔[2] مولوی اسماعیل کے انگریزوں کے تعلق کی توثیق تقویۃ الایمان کے اس مطبوعہ انگریزی ترجمے سے ہوتی ہے، جو مولوی اسماعیل کے ایماء سے شائع ہوا۔ اور ۱۸۵۷ء سے پہلے رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے شائع کیا۔[3]

(سابقہ بقیہ حاشیہ)

شہرت یہ ہوگئی تھی کہ "مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائلِ تقویۃ الایمان سے توبہ کر لی تھی۔ (عبدالستار ہمدانی ایک مظلوم مفکر مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء ص ۶۳) مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس توبہ کا انکار کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اور توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افتراء اہل بدعت کا ہے" (فتاوی رشیدیہ مطبوعہ دیوبند، ص ۸۴)

مولوی رشید احمد کے انکار کے باوجود امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر نہیں فرمائی۔ اکابرینِ اہل سنت رحمہم اللہ تعالیٰ نے حزم و احتیاط کا یہی طریقہ اپنایا ہے اور یہی طریقہ ان کے مقامِ فقاہت کے شایانِ شان ہے۔ (مسعود)

[1] حسین احمد دیوبندی: نقشِ حیات، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء، جلد دوم، ص ۴۱۹

[2] محمد جعفر تھانیسری: حیات سیّد احمد شہید، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۱

[3] اسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (انگریزی ترجمہ) (رائل ایشیاٹک سوسائٹی)

○

جنگ آزادی میں حصہ لینے کے جرم کی پاداش میں سزا سے قبل علامہ فضل حق خیر آبادی کی زندگی خوشحال اور دیندار گھرانوں کی طرح گزری، لباس بھی امیرانہ اور انداز بھی امیرانہ، فیاض اور رحمدل، دوستوں کے دوست اور مددگار۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق وہ حقہ[1] بھی نوش فرماتے تھے اور تفریح طبع کیلئے شطرنج[2] بھی کھیلتے تھے۔[3]

۱۲۶۴ھ/۸۰-۱۸۴۷ء میں دیکھا گیا کہ ان مشاغل کے باوجود "الافق المبین" کا درس دے رہے تھے۔ چونکہ علامہ کو شعر و سخن سے خاص لگاؤ تھا اس لئے حکیم مومن خاں مومنؔ، مرزا اسداللہ غالبؔ، مصطفےٰ خاں شیفتہؔ، صدرالدین آزردہؔ جیسے باکمال شعراء کے ساتھ شعر و سخن کی محفلیں بھی رہتی تھیں۔

○

برِ صغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط قائم ہو چکا تھا، علماء اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی بھی سر رشتے دار ہوئے، اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے ریزیڈنٹ بنے۔ شاہِ دہلی اکبر شاہ ثانی (جلوس ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) آپ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ الٰہ آباد میں سرکاری وکیل بھی ہوئے۔ نواب فیض محمد خاں رئیسِ جھجر نے اپنے پاس بلا لیا، پھر

۱۔ مغلیہ دورِ سلطنت میں شاہی دربار میں علماء، شرفا اور نوابین میں حقے کا عام رواج تھا۔ بادشاہوں کے حقے تو اب بھی عجائب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقے اور ان میں استعمال ہونے والا تمبا کو آج کل کے دیہاتی حقوں اور اس کے تمباکو سے بالکل مختلف تھا۔ بڑے قیمتی، زرنگار اور خوبصورت حقے ہوتے تھے، چلم شاندار، نقرئی یا طلائی نے، کبھی یہ پائپ کی طرح اتنی لمبی ہوتی تھی۔ کہ ایک کمرے میں حقہ دوسرے کمرے میں نے۔ پھر تمباکو کی جگہ قیمتی خمیرے تیار کئے جاتے تھے ان میں مُشک وعنبر وغیرہ کا بھی استعمال ہوتا تھا، جب حقہ تازہ کیا جاتا اور نوشِ جاں کیا جاتا تو دھوئیں سے خوشبوئیں پھوٹتیں اور پوری فضا معطر اور مُعنبر ہو جاتی۔ مسعود

۲۔ اس زمانے میں بادشاہ اور نوابین، علماء اور حکماء میں یہ کھیل معیوب نہ تھا بلکہ اس کھیل کو ذکاوت کی جلا کیلئے کھیلتے تھے۔ راقم نے بھی اپنے بچپن میں بعض متبحر علماء اور حاذق حکماء کو یہ کھیل کھیلتے دیکھا ہے۔ (مسعود)

۳۔ نواب صدیق حسن خاں: تاریخ قنوج (۱۲۷۸ھ) بحوالہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۱۶۵

مہاراجہ الور کے پاس چلے گئے، اسکے بعد سہارنپور اور آخر میں لکھنؤ میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز ہوئے۔ لکھنؤ سے نواب رامپور نواب یوسف علی خان کے اتالیق مقرر ہوئے۔

نصاریٰ کی ملازمت وقت کی ایک ضرورت تھی۔ یہ ملازمت انگریزوں سے کسی خیر خواہی کی وجہ سے نہ تھی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کی تصانیف میں کسی جملے یا شعر سے انگریزوں کی خیر خواہی نہیں جھلکتی، بلکہ ان کے عربی قصائد میں تو دشمنی اور نفرت صاف جھلک رہی ہے، ملازمت چھوڑنے اور نوابوں کے درباروں سے وابستگی کا بڑا سبب بھی یہی نفرت اور دشمنی تھی۔ اس کے باوجود بعض مؤرخین یہ کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو انگریزوں کا خیر خواہ ثابت کیا جائے، یہ بات تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں، اگر خیر خواہ ہوتے تو انگریز آپ کو کیوں سزا دیتا؟ اُس نازک دور میں اس کو خیر خواہوں کی بڑی ضرورت تھی۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے حضور انور ﷺ کی شان میں گستاخانہ تحریر کی بناء پر مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر کی جس کی بیشتر مؤرخین کو شکایت ہے، اس لئے وہ علامہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکے۔ جس طرح ابن عبدالوہاب نجدی نے انگریزوں کے ایما پر کتاب التوحید لکھ کر ایک طوفان کھڑا کیا غالباً مولوی اسماعیل نے بھی انگریزوں کی شہ پر تقویۃ الایمان لکھ کر ایک طوفان کھڑا کیا، اس کے انگریزی ترجمے سے اس شبہے کی تائید ہوتی ہے۔

O

انگریزوں کا عمل دخل تو پورے برِصغیر میں ہو چکا تھا لیکن اُن کے خلاف ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ انگریزوں نے بندوقوں کے کارتوسوں پر گائے کی چربی اور سؤر کی چربی لگائی۔ سؤر مسلمانوں کے ہاں حرام ہے اور گائے ہندوؤں کے ہاں۔ چونکہ یہ کارتوس منہ لگائے بغیر بندوقوں سے نہیں نکالے جا سکتے تھے اس لئے اس افواہ نے

ہندواور مسلمانوں دونوں فوجیوں کو چراغ پا کر دیا اور اچانک بغاوت پھوٹ پڑی، جس کا مرکز دہلی بنا کیونکہ بادشاہ کا پایۂ تخت رہا تھا، عوام الناس انگریزوں کی عمل داری سے پہلے ہی ناراض تھے۔ وہ بھی فوجیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس ہنگامی دور میں علامہ فضل حق خیر آبادی نے بہادر شاہ ظفر اور مجاہدین کو انگریزوں کے خلاف بھرپور جنگ کے لئے ابھارا، علماء نے جہاد کا فتویٰ جاری کیا۔ فتوے سے ایک شورش برپا ہو گئی۔ فتویٰ جہاد ۲۶/جولائی ۱۸۵۷ء کو صادق الاخبار دہلی میں چھپا اس سے پہلے اخبار الظفر دہلی میں شائع ہو چکا تھا۔[1] اس فتویٰ میں راقم کے جدِ امجد کے ماموں علامہ محمد مصطفےٰ خاں ابن حیدر شاہ خاں نقشبندی کے دستخط بھی ہیں۔

اٹھارہ سو ستاون کے جہاد آزادی میں علامہ خیر آبادی نے بھرپور کردار ادا کیا، جبکہ علامہ کے مخالفین اس حقیقت کے انکار پر مصر ہیں، بہادر شاہ ظفر کے دربار میں موجود ضمیر فروش مخبر، انگریز کو خفیہ امور کی اطلاع دیا کرتے تھے، ایسے ہی ایک مخبر تراب علی نے بتاریخ ۲۸/اگست ۱۸۵۷ء انگریزوں کو مطلع کرتے ہوئے لکھا:

"مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے، وہ کہتا پھرتا ہے کہ اس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کر دینے اور پورے شہر کو مسمار کر دینے کے لئے کہا گیا ہے، آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا شاہی مسجد کا صرف ایک مینار باقی چھوڑا جائے گا۔"

(غداروں کے خطوف، ص ۲۰۳، ۲۰۴)

---

[1] سرسید احمد خاں نے اسباب سرکشی ہندوستان (آگرہ ۱۸۵۹ء، ص ۷) اور مولوی ذکاء اللہ نے تاریخِ عروجِ سلطنتِ انگلشیہ (ج ۵، ص ۶۷۵) میں فتویٰ جہاد کے بارے میں گول مول باتیں لکھی ہیں۔

جہادِ آزادی میں علامہ خیر آبادی کی شرکت کے اور بھی کئی ٹھوس ثبوت موجود ہیں، اور سب سے بڑا ثبوت انگریزی کورٹ کا وہ فیصلہ ہے جو ابھی تک حکومت ہند کی تحویل میں ہے اور قومی دفتر خانہ ہند، نئی دہلی میں فارن پولیٹیکل ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر ۵۵۸ کے تحت محفوظ ہے، اس ریکارڈ تک عام لوگوں کی رسائی نہیں، لیکن مالک رام جو ہندوستان کی وزارت خارجہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے انہوں نے مذکورہ ریکارڈ ملاحظہ کیا اور مقدمے کی کارروائی کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے ماہنامہ تحریک دہلی جون ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔ اس مضمون میں علامہ فضل حق خیر آبادی پر قائم ہونے والے مقدمے کی تفصیل دی گئی ہے اور آخر میں علامہ پر عائد ہونے والا الزام بھی ذکر کیا گیا ہے، آیئے اس حقیقت افروز اقتباس کے مطالعے سے اس سچائی تک پہنچنے کی کوشش کریں جسے چھپانے کے لئے طرح طرح کے جتن کیے گئے، حتیٰ کہ خود مالک رام نے بھی مقدمے کی یہ کارروائی یہ ثابت کرنے کے لئے نقل کی تھی کہ "پورے حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق مرحوم نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں واقعی کوئی حصہ نہیں لیا، انہوں نے اس سے پہلے لوگوں کو جو بھی تلقین کی ہو لیکن جب یہ ہنگامہ شروع ہوا تو وہ عملاً اس سے الگ تھلگ رہے، نہ علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے نہ عملی لحاظ سے"۔

ادھر مالک رام کا یہ موقف ہے جبکہ دوسری طرف اودھ کے جوڈیشنل کمشنر مسٹر جارج کیمبل اور خیر آباد ڈویژن کے قائم مقام کمشنر میجر بارو کی مشترکہ کچہری نے ۴ر مارچ ۱۸۵۹ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی کے خلاف درج ذیل فیصلہ صادر کیا:

الزام: بغاوت اور قتل پر انگیخت۔

تشریح (۱): وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران بغاوت کا سرغنہ رہا، اور دہلی، اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی۔

تشریح (۲): اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنے ممو خان کی مجلس مشاورت میں نمایاں حصہ لیا۔

تشریح (۳): اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو قتل کرنے کی ترغیب دی، ملزم نے جرم سے انکار کیا اور سماعت شروع ہوئی، عدالت کے سامنے ملزم مندرجہ ذیل امور میں مجرم ثابت ہوا:

۱۔ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں اس نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا۔

۲۔ ۱۸۵۸ء میں بوندی کے مقام پر اس نے باغیوں کے جو وہاں پڑاؤ ڈالے جمع تھے اور بالخصوص باغی سرغنے ممو خان کے مشوروں میں خاص خاص سرگرمی دکھائی، ان ہی ایام اس نے ایسے فتوے دیئے جن کا مقصد قتل کی ترغیب دینا تھا۔

۴/مارچ ۱۸۵۹ء کو اسے بطور شاہی قیدی حبسِ حیات جبس بعبور دریائے شور اور اس کی تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا دی گئی"۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کے عربی قصیدے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جنگ کے دوران (جو چار ماہ چلتی رہی) مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہے، مگر جہاد میں انگریز دشمنی کے باوجود روایتی ہتھیار اٹھا کر حصہ نہیں لیا اور وہ اس میں کیسے حصہ لے سکتے تھے؟ کہ جنگ ایک فن ہے اور علامہ شمشیر و سناں کے ماہر نہیں تھے بلکہ زبان و قلم کی تلوار کے غازی تھے۔ وہ اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں خود فرماتے ہیں:

قد قمتُ أُزجی القاعدین الی الوغی
وقعدت لما قامت الهیجاء[۱]

ترجمہ: "میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا"۔

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۳۱۴

علامہ فضل حق خیر آبادی کو اپنے اس بیٹھے رہنے پر قلق وافسوس رہا، لگتا ہے کہ علامہ کی خواہش تھی کہ وہ ہتھیار چلانے کے فن سے آگاہ ہوتے تو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن انگریزوں کے خلاف جہاد میں دادِ شجاعت دیتے، یہی ایمانی غیرت کا تقاضا ہے، اور اسی جذبے کے تحت علامہ اپنے آپ کو بیٹھ رہنے والوں میں شمار کر رہے ہیں، حالانکہ علامہ نے بہادر شاہ ظفر اور مجاہدین کے حوصلے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا، لیکن اس کے باوجود علامہ اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

رَبِّ اعفُ عنی ما اقترفت واعفنی
فرجائی منک العفو والإعفاء[1]

ترجمہ: ''اے آمرزگار! میرے قصور کو معاف کر اور جو کچھ خطا مجھ سے سرزد ہوئی اس سے درگزر کر۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کے تعاقب میں دشمن تھے، اس لئے اس دارو گیر کے زمانے میں وہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ دہلی سے روانگی کا خود اس طرح ذکر کرتے ہیں:

بعد ترک مالی من کتبی و نشبی و مالی مایکفی لنقل احمالی واخذت للنجاء سبیلا متوکلا علی اللہ وکفی باللہ وکیلا[2]

ترجمہ: ''مال واسباب چھوڑ کر باربرداری کا انتظام نہ ہوسکنے کی وجہ سے خدا پر بھروسہ کر کے اہل وعیال کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کے عربی قصیدے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کی اس جنگ میں جس کو ''بغاوت'' کہا جاتا ہے بدانتظامی اور بعض اپنوں کی بے وفائیوں اور جفاشعاریوں کی وجہ سے ناکامی ہوئی پھر انگریز دہلی میں ۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۳۱۴

۲۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۲۶۷

داخل ہو گئے اور ظلم وستم کا وہ بازار گرم ہوا کہ الامان الحفیظ۔ علامہ اپنے قصیدۂ ھمزیہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

قد سلط الأنصار فی أمصارنا

أن صار أنصارا لهم سفهاء[1]

ترجمہ: ''نصاریٰ ہمارے شہروں پر مسلّط کر دئے گئے، کیونکہ کچھ بے وقوف ہندوستانی ان کے مددگار بن گئے تھے۔

بادشاہ کو تنگ وتاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ شہزادہ مرزا مغل کو گولی کا نشانہ بنا کر سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے رکھا گیا، پھر کچل کر پھینک دیا گیا۔ جب بادشاہ پر یہ آفت آئی تو علامہ پر کیا کچھ مصیبت نہ آئی ہوگی؟ وہ خود بتاتے ہیں:

فان أعدائی یجدّون فی إیذائی ویبغون بما یبغون إیذائی وأودائی لا یستطیعون مداوۃ دائی وقدر سخت فی قلوب العدیٰ منّی أضغان وحقائد کماترسخ فی القلوب من الأدیان عقائدوقد شحنت صدورهم الوخیمة بالشحناء والسخیمة لکننی أرجو رحمة ربی العزیز الرحیم۔[2]

ترجمہ: میرے دشمن میری ایذارسانی میں کوشاں میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں۔ میرے دوست میرے مرض کے مداوے سے لاچار ہیں۔ دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بُغض وکینہ مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہوگیا ہے، ان کے پلید سینے کینے اور عداوت کے دفینے بن گئے ہیں۔

۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کیا اس سے دھوکہ کھا کر علامہ دہلی سے اپنے گھر کیلئے روانہ ہوئے۔

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۳۰۷

۲۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۲۹۵

وہ خود فرماتے ہیں: جنگ آزادی کے دوران میرے اکثر اہل وعیال دہلی میں تھے، پھر جب نصاریٰ شہر پر قابض ہو گئے، لشکری وشہری باقی نہ رہے، تو پانچ شبانہ روز بھوک و پیاس میں گزار کر، کتابیں چھوڑ کر اہل وعیال کے ساتھ دہلی سے نکل گئے۔ (الثورۃ الھندیہ، ص ۲۶۷) علامہ نے اپنے عربی قصیدے ھمزیہ میں ملکہ وکٹوریہ کی بدعہدی کا یوں ذکر کیا:

اِنّی بَلانِی خَدْعَۃُ امرأۃٍ بلیٰ
کیدٌعظیمٌ مَا تکید نساء
فَدَعَتْ بِاَنْ قَدْشَھَّرَتْ اَنْ آمَنَتْ
قَوْمًا نَبَتْ بِھِمُ الدِّیَارُوَنَاءُ وْا[۱]

ترجمہ: مجھے ایک عورت کے مکر نے مبتلائے مصیبت کر دیا، عورتوں کا مکر بڑا زبردست مکر ہے اُس نے یہ کہہ کر شہرت دی جو لوگ گھروں سے دور پڑے ہیں انہیں امن دے دیا گیا۔

بہر حال ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء میں علامہ پر لکھنؤ میں بغاوت کا مقدمہ چلا اور ۴/مارچ ۱۸۵۹ء کو فیصلہ حینِ حیات حبسِ دریائے شور اور تمام جائیداد کی ضبطی۔ علامہ اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:۔

وقضی علیّ بتخلید حبسی و تعذیبی وجلائی وتغریبی وغصب کل مالی من کتبی ونشبی و مالی وغصب دارا کانت لاھلی وعیالی۔[۲]

ترجمہ: اس ظالم حکمران نے میری جلاوطنی اور عمر قید کا فیصلہ صادر کر دیا اور میری کتابیں، جائیداد، مال ومتاع اور اہل وعیال کے رہنے کا مکان غرض ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔

بقول بعض لوگوں کے: علامہ نے نواب رامپور کے نام ایک فارسی خط[۳] میں جرم

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۲۹۹ — ۲۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۲۸۹

۳۔ مورخہ ۱۸/فروری ۱۸۵۹ء بنام نواب رامپور بخزونہ کتب خانہ رامپور، نواب یوسف علی خاں بہادر۔

نوٹ — (یہ مکتوب رامپور سے الٰہ آباد منتقل کر دیا گیا ہے۔ ۱۲ اشرف قادری)

بغاوت سے اپنی بریت کا اظہار کیا ہے لیکن اس مکتوب کا صرف متن ہی میسر آسکا، اصل مکتوب کا عکس نہیں مل سکا اس لئے اس کی تصدیق یا تردید نہیں کیا جاسکتی۔ بہر حال علامہ کو جرمِ بغاوت کے الزام میں جزیرۂ انڈیمان بھیج دیا گیا جس کا ذکر علامہ نے اس طرح کیا:

وأنزلوني مع الأسرىٰ على جبل

قاص تَنِي دونه أوهام قصّاد[1]

ترجمہ: اور مجھے ان قیدیوں کے ساتھ ایک دور دراز پہاڑی پر اتار دیا جہاں قصد کرنے والوں کا وہم وگمان بھی نہ پہنچتا تھا۔

اسی جزیرے میں علامہ نے ۱۲ر صفر المظفر ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء کو وصال فرمایا۔ علامہ نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے واقعات قید وبند کے زمانے میں عربی نثر میں لکھے ہیں، جس میں مئی ۱۸۵۷ء سے ستمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان انگریزوں اور مسلمانوں میں ہونے والی جنگ اور ہمہ گیر تباہی وبربادی کا ذکر کیا ہے۔ دہلی سے وطنِ عزیز روانگی اور وہاں پہنچنے کے بعد گرفتاری پھر مقدمہ اور فیصلے کا ذکر کیا ہے اور ظلم وستم کی داستان سنائی ہے اسی طرح اپنے عربی قصیدہ دالیہ میں اپنے امراض ومصائب، جہاد، اسباب وعلل، نصاریٰ کی عداوت، مدعیانِ اسلام کی طرف سے ان کی امداد، ساتھیوں پر حملے اور ظلم، جہاز میں سواری، جزیرے میں اترنے اور نصاریٰ کا ایذا رسانی کے لئے اپنے دم ساز زندیقوں کو آمادہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔[2]

ہمارے خیال میں علامہ کی گرفتاری کی ایک وجہ بعض نام نہاد مسلمانوں کی جفا شعاریاں اور ریشہ دوانیاں بھی تھیں جس کا علامہ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:

والمسلمين الذين ارتدوا ابولاء النصارى بعدالإيمان وباعوا دينهم ببخس من الأثمان[3]

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۳۲۲ ۲۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۳۲۳ ۳۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۲۶۱

ترجمہ: اور وہ مسلمان بھی جو ایمان کے بعد نصاریٰ کی محبت میں مرتد ہو کر اپنے دین کو چند ٹکوں کے عوض بیچ چکے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے یہ لوگ علامہ کے جزیرۂ انڈیمان پہنچنے کے بعد بھی ایذا رسانی کی کوشش کرتے رہے جس کا ذکر علامہ نے یوں کیا ہے:

أغرى النصارى بتعذيبى زنادقةً
يلونهم وتولوهم لإلحاد
غاظوا وجدّوا ولجوا فى معاقبتى
عادوا وبادوا بأضغان وأحقاد[1]

ترجمہ: مجھے تکلیف پہنچانے کیلئے ایسے زندیقوں کو آمادہ کیا جو ان کے مقرب ہیں اور وہ بھی جن سے ان کے الحاد کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئے اور میری اذیت رسانی میں ہر ممکن جدوجہد سے کام لیا، پوری پوری دشمنی برتی، بغض و کینے کا کھلا مظاہرہ کیا۔

علامہ کی گرفتاری کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مئی ۱۸۵۸ء میں عبدالحکیم کو جو انگریزوں کی طرف سے دریا آباد (یوپی۔ بھارت) میں متعین تھا گرفتار کر کے منتظم حسین نے بیگم حضرت محل کے پاس بوندی بھیج دیا، وہاں اس کو ممو خاں اور علامہ فضل حق کے سامنے پیش کیا گیا۔ علامہ فضل حق نے اس کو سزائے موت کا مستحق قرار دیا اور مشورہ دیا کہ فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔[2]

اس کی کچھ تصدیق علامہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۳۲۳

۲۔ مولانا فضل حق خیر آبادی از مالک رام بحوالہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی، ص ۲۳۱

وشی علیّ عندہ مرتد ان أشذان ألدّان جاد لانی فی ایۃ من ای القراٰن محکمۃ حکمت بأن من یتولّی النصاری نصران وھما علی تولّیھم یصرّان فارتداو استبدلا الکفر بالإیمان۔[1]

ترجمہ: اور میری چغلی ایسے دو مرتد جھگڑالو تندخوافراد نے کھائی جو مجھ سے قرآن کی محکم آیات میں مجادلہ کرتے تھے جس کا حکم یہ تھا کہ نصاریٰ کا دوست بھی نصرانی ہے، وہ دونوں نصاریٰ کی مودّت ومحبت پر مُصر تھے انہوں نے مرتد ہو کر کفر کو ایمان سے بدل لیا تھا۔

اس اقتباس سے گرفتاری کی وجوہ اور علامہ کے عقائد کی پوری پوری وضاحت ہوتی ہے۔

بہرحال علامہ کلکتے سے بحری جہاز میں سوار ہو کر ۸/۱۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پورٹ بلیر پہنچے، یہاں قیدیوں میں ان کا دفتری نمبر ۳۶۸۷ تھا۔ جزیرۂ انڈیمان میں علامہ نے عربی نظم ونثر میں جو کچھ قلمبند کیا وہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان پہنچا بعد میں اس مجموعہ کا نام ''الثورۃ الہندیہ'' رکھا گیا۔ اس میں قصیدہ ھمزیہ بھی ہے اور قصیدہ دالیہ بھی، اس مجموعے کی نقل بقول ابوالکلام آزاد، علامہ کے صاحبزادے علامہ عبدالحق علیہ الرحمہ[2] (۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء) نے آزاد کے والد علامہ خیرالدین کو مکہ معظمہ بھیجی تھی جو ان کے کتب خانہ میں محفوظ

۱۔ الثورۃ الھندیہ، ص ۲۸۹

۲۔ علامہ محمد عبدالحق خیرآبادی عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے، ۱۲۴۴ھ/ ۹۔۱۸۲۸ء میں دہلی میں ولادت ہوئی، ۱۶ سال کی عمر میں درسیات سے فارغ ہوئے، پھر مدرسہ عالیہ، کلکتہ میں خدمات انجام دیں، اس کے بعد نواب رام پور نے بلالیا اور وہاں ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء سے ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء تک حاکم مرافعہ اور مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل رہے، کچھ روز آصف جاہ نظام حیدرآباد کی دعوت پر حیدرآباد بھی رہے پھر نواب حامد علی خاں نے رام پور بلالیا، ایک سال وہاں رہ کر خیرآباد آگئے۔ علامہ عبدالحق خیرآبادی سلسلہ چشتیہ میں شاہ اللہ بخش تونسوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے، آخر میں تصوف کی طرف پوری توجہ ہوگئی تھی۔ ۲۳ر شوال المکرم ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء کو انتقال فرمایا۔ امیر مینائی نے یہ مادہ تاریخ نکالا ہے: ؎

آرام گہ امام وقت است

(الثورۃ الہندیہ، ص ۱۶۷۔۱۸۳، ضمیمہ حکیم سید برکات احمد ٹونکی، ملخصاً)

ہے۔اس کی نقل عبدالشاہد خاں شروانی (لائبریرین اورینٹل سیکشن، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) نے تصحیح کے بعد اصل مجموعہ اور اس کا اردو ترجمہ پہلی بار ۱۹۴۷ء میں بجنور سے شائع کرایا۔ پھر دوسری بار علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کے فاضلانہ اور محققانہ مقدمے اور مفید اضافوں کے ساتھ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

علامہ فضل حق خیر آبادی نے نو ماہ اُنیس دن جزیرہ انڈیمان میں سیاسی قیدی رہ کر ۱۲ر صفر المظفر ۱۲۷۸ھ/۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء کو وصال فرمایا یعنی جامِ شہادت نوش فرمایا۔

O

افسوس سارا زورِ قلم اس پر صرف کیا جاتا ہے کہ جہادِ آزادی میں شریک نہ تھے، محض غلط فہمی کی بناء پر ان کو عمر قید سنائی گئی۔[1] جو شخص پورے ملک میں جانا پہچانا ہو اور جس کو حاکم بھی اچھی طرح جانتا ہو اس کے متعلق غلط فہمی بعید از قیاس ہے۔ واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ علامہ دل سے انگریزوں کے مخالف تھے۔ وہ جنگ آزادی کے زمانے میں انگریز کے دوست کو واجب القتل سمجھتے تھے (جیسا کہ پیچھے حوالہ پیش کیا گیا) کیونکہ جو انگریز کا دوست ہوگا وہ یقیناً مجاہدین کا دشمن ہوگا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو سُنّی، حنفی، سلفی ہونے کی وجہ سے ہدف بنایا گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مؤرخین نے جہادِ آزادی کے زمانے میں جس کے بارے میں انگریز دوستی کی ایک بھی شہادت نہیں اس کو

---

[1] علامہ فضل حق خیر آبادی پر مختلف علمی مقالات کا ایک مجموعہ بعنوان "فضل حق خیر آبادی اور جہادِ آزادی" مرتب کیا گیا۔ یہ عنوان بظاہر دلپذیر معلوم ہوتا ہے، پھر یہ کتاب سنی پبلی کیشنز لاہور کے نام سے شائع کرائی گئی تا کہ ناشر کو وہابی نہ سمجھا جائے، پھر نفیس رقم کے شاگرد محمد عاشق نے اس کی کتابت کی، نے ان کے نام کے آگے "قادری" لگا ہوا ہے تا کہ کوئی شک نہ رہے، تعجب یہ ہے کہ نفیس رقم نے اس کتاب کا سرورق کتابت کیا، جبکہ نفیس رقم کا حال یہ تھا کہ فقیر کی کتابوں کے ٹائیٹل لکھنے سے اس لئے انکار کرتے تھے کہ فقیر مولانا احمد رضا محدث بریلوی (علیہ الرحمہ) پر کام کرتا ہے۔ افسوس! دنیائے وہابیت اور دیوبندیت دونوں ہی محدث بریلوی سے نالاں ہیں۔ اور آپ کے بے مثل علم و فضل کا ان پر ذرہ برابر اثر نہیں۔ جس کتاب کا اوپر ذکر کیا گیا اتنے خوبصورت عنوان کے باوجود اس میں علامہ فضل حق خیر آبادی کو جہادِ آزادی سے الگ دکھایا گیا ہے۔ مسعود

انگریز دوست ثابت کیا اور جن کے بارے میں انگریز دوستی کی کئی شہادتیں موجود ہیں یعنی سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی وغیرہ ان کو جہادِ آزادی کا قائد اور سلطنتِ اسلامیہ کا ہیرو ثابت کیا گیا اور مستقل ثابت کیا جا رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان میں کالج کے نصابی اسباق میں ''پاکستان کیلئے پہلا جہاد'' کے عنوان سے ایک سبق رکھ کر طلبہ کے ذہن کو صاف کیا گیا۔

انگریز دوستی کا جو الزام علامہ فضل حق خیر آبادی اور امام احمد رضا محدث بریلوی[1] پر لگایا جاتا ہے وہ تاریخی طور پر ان دونوں کے مخالفین پر عائد ہوتا ہے مثلاً مولوی اسماعیل دہلوی سمیت اُن کے اِن سب مؤیدین پر یہ الزام عائد ہوتا ہے، سر سید احمد خاں[2] (م۔ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء)، رشید احمد گنگوہی[3] (م۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) نواب صدیق حسن خان[4] (م۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)، نذیر حسین دہلوی[5] (م۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء)، اشرف علی تھانوی[6] (م۔ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) شبلی نعمانی[7] (م۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) وغیرہ وغیرہ۔[8]

یہی نہیں یہ لوگ انگریزوں کے حامی و مددگار تھے بلکہ جس کسی کی بھی یہ تائید

۱۔ اس الزام کی تردید میں راقم کا مقالہ ''گناہِ بے گناہی'' مطبوعہ کراچی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء مطالعہ فرمائیں۔ مسعود

۲۔ (الف) الطاف حسین حالی: حیاتِ جاوید، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۱۷۵

(ب) سر سید احمد خان: مقالاتِ سر سیّد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء، حصہ نہم، ص ۲۱۲

۳۔ عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، مطبوعہ دہلی ج ۱، ص ۸۰۔

۴۔ صدیق حسن خان: ترجمانِ وہابیہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۱۲ھ، ص ۹، ۲۹

۵۔ فضل حسین بہاری: الحیات بعد المماة، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۹ھ، ص ۱۲۵، ۱۳۷

۶۔ (الف) رئیس احمد جعفری: اوراقِ گم گشتہ مطبوعہ کراچی ص ۳۲۴

(ب) محمد زکی دیوبندی: مکالمۃ الصدرین (۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ) دار الاشاعت دیوبند۔

۷۔ (الف) محمد اکرام شیخ: شبلی نامہ، ص ۱۷۸، ۲۴۵

(ب) سلیمان ندوی: حیاتِ شبلی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء، ص ۶۳۱۔ ۶۳۴

۸۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: شیشے کے گھر، تالیف مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ برطانوی مظالم کی کہانی، تالیف مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری۔

کرتے ہیں اس کا سلسلۂ فکر مولوی اسماعیل دہلوی سے ملتا ہے جو ابن عبدالوہاب نجدی (م۔ ۱۲۰۶ھ/ ۲۔ ۱۷۹۱ء) اور ابنِ تیمیہ (م۔ ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) وغیرہ سے فیضیاب ہیں۔ مثلاً آلِ سعود کے یہ سب حامی و مددگار ہیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عبدالعزیز بن عبدالرحمان بن فیصل السعود کے برطانیہ سے مراسم تھے چنانچہ ۱۸ر صفر المظفر ۱۳۳۴ھ/ ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء کو انگریزوں کی بالادستی کا معاہدہ ہوا۔[۱] ابنِ سعود کو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے ستارۂ ہند کا خطاب دیا گیا اور تمغہ لگایا گیا۔[۲]

الغرض تاریخی حیثیت سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی انگریزوں کے حامی و مددگار نہ تھے بلکہ ان کے حامیوں اور مددگاروں کو مرتد سمجھتے تھے۔ وہ علم وفضل کے پیکرِ بے مثال تھے۔ جہادِ آزادی میں بحیثیت ایک متبحر عالم جو کر سکتے تھے انہوں نے کیا۔ جبکہ اُن کے مخالف علماء نے انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دیا اور ہندوستان میں اس کے اقتدار کی راہ ہموار کی۔

O

علامہ فضل حق خیرآبادی صاحبِ تصنیف عالم تھے۔ ان کی قابلِ ذکر تصانیف یہ ہیں:۔ (۱) شرحِ تہذیب الکلام۔ (۲) تحقیقِ حقیقۃ الاجسام۔ (۳) حاشیہ قاضی مبارک (۴) حاشیہ افق المبین۔ (۵) حاشیہ تلخیص الشفاء۔ (۶) الہدیۃ السعیدیۃ (۷) الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود۔ (۸) رسالہ مبحث قاطیغوریاس۔ (۹) رسالہ تحقیق العلم والمعلوم (۱۰) الجنس الغالی فی شرح الجوہر العالی۔ (۱۱) رسالہ کلی طبعی۔ (۱۲) رسالہ تشکیکِ ماہیات۔ (۱۳) تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ (۱۴) امتناع النظیر۔ (۱۵) قصائد فتنۃ الہند۔ (۱۶) مجموعۃ القصائد وغیرہ۔

۱۔ سرگزشت حجاز، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء، ص ۴۲۔ ۴۳

۲۔ ایضاً عکس بالمقابل ص ۱۸

جامعہ ازہر شریف کے ریسرچ سکالر مولانا حافظ عبدالواحد نے علمِ فلسفہ میں ایک اور تصنیف ''رسالۃ فی الالٰہیات'' کا پتہ لگایا ہے، جو بقول ان کے رضا لائبریری رامپور (انڈیا) میں قلمی محفوظ ہے۔

O

علامہ فضل حق خیرآبادی کی علمی عظمت و جلالت کا اندازہ ان کے معاصرین اور قریب العہد علماء و فضلاء کے تأثرات سے بھی ہوتا ہے، ہم یہاں چند شخصیات کے تأثرات پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ مولوی عبدالقادر صدر الصدور (م۔ ۵۔ ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۹ء)

''عربی ادب میں ابوالحسن اخفش جیسے ہیں، ان کی نثر مقامات حریری سے اور نظم دیوانِ متنبّی سے ممتاز ہے۔''

(وقائع عبدالقادر خانی۔ ص ۲۵۸ بحوالہ علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہادِ آزادی از: محمد سعید الرحمان علوی۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۵۱)

۲۔ مولوی کریم الدین پانی پتی (م۔ ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء)

''واضح ہو کہ یہ فاضل اجل بڑا عالم ہندوستان میں ہے، اس سے صدہا لوگوں کو فیض ہوا ہے اور صدہا فاضل اس کے شاگردوں میں ہیں، علومِ عربیہ میں اس شخص کو بڑا رتبہ حاصل ہے۔''

(تذکرۂ فرائد الدہر۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۴۷ء، ص ۴۰۷۔ ۴۰۶، بحوالہ مذکور) ص ۱۵۵)

۳۔ محمد حسین شاہجہاں پوری (م۔ ۱۲۷۶ھ/ ۶۰۔ ۱۸۵۹ء)

''مولانا فضل حق بن فضل امام خیرآبادی وہ بڑے عالموں میں سے تھے، اعلیٰ علوم، ادب اور لغت میں بلاشبہہ شیخ الرئیس (بوعلی سینا) کی مثل تھے۔''

(ریاض الفردوس۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۶۶ء، ص ۱۴۰، بحوالہ مذکور) ص ۱۵۶)

۴۔ محمد محسن بن یحییٰ ترھتی تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی

''علامہ فضل حق خیرآبادی حاذق ترین مناظر اور اپنے زمانے کے بڑے اصولی

تھے۔ وہ اپنے دور کے اچھے شاعر اور عربی کے بڑے ادیب تھے۔"

(الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی ۱۲۸۰ھ مطبوعہ بریلی ۱۲۸۶ھ ص ۹۳۔۹۲ بحوالہ مذکور، ص ۱۵۷)

۵۔ نواب صدیق حسن خان۔ (م۔ ۱۳۰۷ھ/ ۹۰۔۱۸۸۹ء)

"ان کی نظم میں چار ہزار سے زیادہ اشعار ہیں، بیشتر قصائد مدحِ رسول ﷺ میں اور بعض کفار و فجار کی ہجو میں —— ان کی غزلیات، تقاریظ اور ادبیات کو شیخ الادب جمیل احمد بلگرامی مرحوم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ان کی شرح بھی کر دی ہے۔"

(ابجد العلوم۔ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۶ھ، ص ۹۱۵، بحوالہ مذکور ص ۱۶۲۔۱۶۳)

۶۔ سر سید احمد خان۔ (م۔ ۱۶۔۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء)

"کمالاتِ علم و ادب میں ایسا علَمِ سرفرازی بلند کیا کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت نشستہ محض عروجِ معارج ہے اور بلاغت کے واسطے اُن کی طبع رسا دست آویزِ بلندئ معارج ہے۔ سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیانی اور امرءالقیس کو ان کے افکارِ بلند سے دست گاہِ عروجِ معانی۔"

(آثار الصّنادید (۱۸۴۷ء) مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء، ص ۶۳۔۵۶۲ بحوالہ مذکور ص ۱۵۳)

۷۔ امیر احمد مینائی۔ (م۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء)

"فنون حکمیہ میں مرتبۂ اجتہاد، بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، خلیق[1] و ذلیق، انتہائی صاحبِ تدقیق و تحقیق۔"

(انتخابِ یادگار (۱۲۹۰ھ) مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۷ھ، ص ۹۲۔۲۹۱ بحوالہ مذکور، ص ۱۵۹)

---

[1]۔ امیر احمد مینائی نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو "خلیق" لکھا ہے لیکن نواب صدیق حسن خاں نے "حُسن اخلاق سے بہت دور" لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ "اس قدر علم و کمال اور علم و حکمت اور فلسفۂ و ریاضی، عربی ادب اور نعت میں اتنی دستگاہ ہونے کے باوجود حسن اخلاق اور عالمانہ تواضع سے بہت دور تھے (تاریخ قنوج ۱۲۷۸ھ بحوالہ سرحد کراچی جون جولائی ۱۹۷۰ء۔ مقالہ محمد ایوب قادری ص ۳۵) —— امیر احمد مینائی صحیح العقیدہ سُنی تھے جبکہ نواب صدیق حسن خان ابتدا میں بدعقیدہ تھے شاید اسی لئے ان سے اخلاق سے پیش نہ آئے ہوں گے اس لئے انہوں نے جو دیکھا لکھ دیا لیکن اس سے علامہ فضل حق خیرآبادی کے عقیدے کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسعود

۸۔ فقیر محمد جہلمی۔ (م۔ ۳۵۔ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء)

"عربی وفارسی میں نظم لائق، نثرِ فائق کہتے تھے، چار ہزار اشعار آپکے شمار کیے گئے ہیں، اور اکثر قصائد آپکے مدح آنحضرت ﷺ اور ہجوِ کفار میں ہیں، آپ کے اور استاذی مفتی صدرالدین خان صدرالصدور دہلوی کے درمیان بڑی دوستی تھی۔"

(حدائق الحنفیہ (۱۲۹۷ھ) مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۱ء بحوالہ مذکور ص ۱۶۷)

O

علامہ فضل حق خیر آبادی پر بہت کچھ لکھا گیا، جس سے اس مقالے میں استفادہ کیا گیا ہے، مگر ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد جدید علمی دنیا انگریزوں کے خیر خواہوں کے زیرِ اثر رہی، اس لئے ان علماء وفضلاء پر کام نہ ہوسکا جو انگریزوں کے خیر خواہ نہ تھے، ان کے حق میں حالات بھی سازگار نہ تھے۔ اِن علماء میں خاص طور پر دو شخصیات قابلِ ذکر ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور امام احمد رضا خاں محدث بریلوی۔[۱] پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں (صدر شعبۂ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد، دکن) کی نگرانی میں ایک فاضلہ ڈاکٹر قمر النساء نے عربی زبان میں بعنوان "العلامہ فضل حق الخیر آبادی" ڈاکٹریٹ کیا ہے (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء) اس مقالے میں فاضلۂ موصوفہ نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے عربی زبان میں مہارت بلکہ عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں یکساں مہارت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی فرقتی اور آرزو تخلص فرماتے تھے اور آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے مثلاً حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، غزل، خمریات وغیرہ وغیرہ۔ اُن کا کلام صنائع وبدائع لفظی ومعنوی سے مالا مال ہے۔ فاضلۂ موصوفہ نے

۱۔ امام احمد رضا محدث بریلوی پر ہندوستان، پاکستان، امریکہ اور مصر وغیرہ میں گزشتہ ۳۲ سال میں بہت کام ہوچکا ہے جس کی تفصیلات راقم کی کتاب "امام احمد رضا اور عالمی جامعات" (مطبوعہ کراچی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء) میں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔ مسعود

علامہ فضل حق خیر آبادی کے قصائد میں رائیہ، حائیہ، دالیہ، سینیہ، میمیہ وغیرہ قصائد کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ادب و شاعری کے حوالے سے لکھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔[1] ضرورت تھی کہ عرب دنیا میں کوئی فاضل اس موضوع پر قلم اٹھاتا۔ فاضل محقق مولانا ممتاز احمد سدیدی قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے علامہ فضل حق خیر آبادی پر ادب و شاعری کے حوالے سے مقالہ لکھنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور الأزہر یونیورسٹی، قاہرہ مصر میں ''العلامة محمد فضل الحق الخیر آبادی حیاته و شعره العربی '' کے عنوان سے رجسٹریشن کروائی، اللہ تعالیٰ اس علمی اور ادبی کام کو بخیر و عافیت پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ مولانا سدیدی عالم و فاضل ہیں اور مصنف و مترجم بھی۔ ان کی متعدد نگارشات شائع ہو چکی ہیں۔ مستقبل میں اُن سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔

پیشِ نظر مقالے کا خاکہ کچھ یوں ہے: شروع میں مقدمہ ہے پھر تین ابواب اور ایک خاتمہ۔ پہلے باب میں تین فُصول ہیں، دوسرے باب میں پانچ فصول اور تیسرے باب میں دو فصول، اس مقالے میں مجموعی طور پر علامہ فضل حق خیر آبادی کے عصری حالات، ذاتی حالات، ادبیات، اصنافِ سخن اور زبان و بیان کے اسلوب پر سیر حاصل گفتگو ہوگی۔ آخر میں محاکمہ اور خاتمہ ہوگا۔ جس میں تحقیق کے اہم نتائج ذکر کیے جائیں گے، اس میں شک نہیں کہ یہ مقالہ برِ صغیر میں عربی ادب کے حوالے سے ایک اہم مقالہ ہے۔ اس کی نگرانی کا شرف '' فضیلة الأستاذ الدکتور محمد عرفه المغربی '' اور '' فضیلة الأستاذ ڈاکٹر رزق مرسی ابو العباس علی '' دام مجدہما نے حاصل کیا اور علم و ادب پر احسان کیا۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء۔ یقیناً اہلِ عرب میں اس مقالے کی پذیرائی ہوگی اور ممکن ہے کوئی عربی ادیب و شاعر علامہ فضل حق خیر آبادی کی شخصیت اور علم و فن پر تحقیق کو مزید آگے بڑھائیں۔

---

[1] مولانا محمود احمد قادری نے لکھا ہے کہ انہوں نے '' علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کا عربی کلام '' کے عنوان سے ایک وقیع مقالہ لکھا ہے (تذکرۂ علمائے اہلسنت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص ۲۱۱۔ مسعود

مولانا ممتاز احمد سدیدی ازہر یونیورسٹی، قاہرہ مصر میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات اور ادبی خدمات کے حوالے سے کام کر رہے ہیں جبکہ مولانا حافظ عبد الواحد اعتقادی نظریات کے حوالے سے کام کر رہے ہیں۔[1] یہ دونوں علوم وفنون علامہ کے بعد مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی میں حیرت انگیز طور پر جمع ہو گئے تھے جیسا کہ ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے استاد ڈاکٹر محیی الدین الوائی نے لکھا ہے۔[2]

فاضلِ محقق مولانا ممتاز احمد سدیدی قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان کی تحقیق سے اُس فاضل کے حالات اور ادبی نگارشات اور فضائل وکمالات عرب دنیا کے سامنے آجائیں گے جس کے نام اور کام سے بھی شاید وہ اچھی طرح واقف نہ تھی۔ یہ مقالہ عرب وعجم کے درمیان محبت والفت کا ایک اہم وسیلہ ہے، اس مقالے نے دوری کو نزدیکی میں بدل دیا اور اپنائیت کا ایک ماحول پیدا کر دیا۔ اس تحقیق سے بعض اہلِ علم معاندین کی تنگ نظری بھی عیاں ہو گئی کہ کیسے عظیم انسان کو آنکھوں سے اوجھل کرنے اور دل سے دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ دل پوچھتا ہے کیا اہلِ علم ایسا بھی کر سکتے ہیں؟ —— محض مسلک ومنہاج سے اختلاف کی بناء پر کسی فاضل ومحقق اور ادیب وشاعر کو مٹانے کی کوشش ہرگز محمود نہیں سمجھی جا سکتی، بیشک:۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

خیر اغیار نے جو کیا وہ کیا مگر اپنوں نے بھی اپنے آفتاب وماہتاب اسلاف کے علمی کارناموں کو بھلا کر خود پر ظلم کیا۔ الحمد للہ! جس کو بھلایا گیا تھا، جس کو مٹایا گیا تھا اور علمی مسند سے ہٹایا گیا تھا وہ پھر زندہ ہو گیا اور آن بان سے مصر کی تاریخی سرزمین میں علمی مسند پر بٹھا دیا گیا:۔

جلوسِ گل بہ سریرِ چمن مبارکباد!

جمعۃ المبارک ۱۷ر ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
یکم فروری ۲۰۰۲ء

احقر
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی، پاکستان

۱۔ مولانا حافظ عبد الواحد، الازہر یونیورسٹی سے عقیدہ وفلسفہ میں پی ایچ ڈی کے لئے "العلامہ فضل حق خیر آبادی وآراؤہ الکلامیہ" کے عنوان سے رجسٹریشن کروا چکے ہیں۔

۲۔ صوت الشرق، شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶۔۱۷

ماخذ مراجع

۱۔ انتظام اللہ شہابی، مفتی: ایسٹ انڈیا اور باغی علماء، مطبوعہ لاہور

۲۔ حازم محفوظ مصری، ڈاکٹر: بساتین الغفران، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء

۳۔ حازم محفوظ مصری، ڈاکٹر: صفوۃ المدیح، مطبوعہ قاہرہ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۴۔ حسین احمد دیوبندی، نقش حیات، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

۵۔ سر سید احمد خاں: مقالات سر سید، مطبوعہ لاہور

۶۔ سرگزشت حجاز، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء

۷۔ سعید الرحمٰن علوی، محمد: علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۸۔ رحمان علی، مولوی: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۴ء، ترجمہ اردو مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

۹۔ فضل حق خیر آبادی، علامہ: الثورۃ الہندیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۱۰۔ فضل حق خیر آبادی، علامہ: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۱۱۔ قمر النساء، ڈاکٹر: العلامہ فضل حق خیر آبادی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

۱۲۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: گناہِ بے گناہی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

۱۳۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: ادب و بے ادبی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء

۱۴۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: امام احمد رضا اور عالمی جامعات، مطبوعہ کراچی

۱۵۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تقلید، مطبوعہ کراچی،

۱۶۔ محمود احمد قادری: فضل حق اور ۱۸۵۷ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء

۱۷۔ محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہل سنت، مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۹۲ء

وہ امامِ فلسفہ وہ نازشِ علم و سخن

وہ امامِ فلسفہ وہ نازشِ علم و سخن
جس نے زندہ کر دیا قصۂ دار و رسن

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستا رہا
اللہ اللہ جنگ آزادی کے حُر کا بانکپن

زندگی اس کی سراپا سوز و سازِ عشق تھی
دانش و حکمت میں حاصل تھا اسے معراجِ فن

دیو استبداد اس سے لرزہ بر اندام تھا
اس کی شمشیر نگہ سے کانپتا تھا اہرمن

سامراجی طاقتوں کا توڑ کر زورِ جنوں
اس نے پیدا کی تھی آزادی کی ہر دل میں لگن

اس نے سمجھایا ''نہیں ممکن نظیر مصطفےٰ''
گونجتا ہے آج تک یہ نعرۂ باطل شکن

کانپ اُٹھا اُس کے فتووں سے فرنگی سامراج
اُس کے نعروں سے ہوئے بیدار شیرانِ وطن

وہ خطیبِ حریت، شعلہ نوا، جوش آفریں
جامع دہلی کو گرماتا رہا جس کا سخن

اُس کا وہ فرزندِ[1] فاضل، اس کی سچی یادگار
عاشقِ مہرِ عرب، عبدِ خدائے ذوالمنن

ہند میں روشن کیا جس نے چراغِ فلسفہ
پیکرِ علم و ہنر، ظلمت میں شمعِ انجمن

آسمانِ اہلِ سنت کا درخشاں آفتاب
ہند کے ظلمت کدوں پر جو رہا جلوہ فگن

مردِ حُر، غازی، مجاہد، حق پرست و فضلِ حق
تھا کتابِ حریت کا بے گماں پہلا ورق

(امیر البیان سہروردی)

---

[1] علامہ محمد عبدالحق خیرآبادی

اھل سنت و جماعت کی عربی مطبوعات

خود مطالعہ کریں اور دنیائے عرب کے علماء کو بطور تحفہ پیش کریں

(۱) **الشیخ احمد رضا خان شاعراً عربیاً**: امام احمد رضا بریلوی کی عربی شاعری پر لکھا جانے والا 720 صفحات پر مشتمل عربی مقالہ جس پر مقالہ نگار علامہ ممتاز احمد سدیدی ازھری کو دنیا کی قدیم ترین اور عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ ازہر شریف سے ایم فل کی ڈگری ملی، امام احمد رضا بریلوی پر عربی میں اتنی ضخیم شائع ہونے والی دنیا بھر میں پہلی کتاب۔ ہدیہ 450/00

(۲) **الزمزمة القمرية**: قصیدہ غوثیہ کی عربیت پر اعتراض کرنے والوں کا علمی محاسبہ،
تحریر: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز۔ ترجمہ: علامہ ممتاز احمد سدیدی ازھری۔ ہدیہ 36/00

(۳) **اقامة القيامة**: کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے مستحسن ہونے پر دلائل کا سیل رواں،
تحریر: امام احمد رضا بریلوی، ترجمہ ممتاز احمد سدیدی ازھری۔ ہدیہ 33/00

(۴) **تكريم ثلاثة من علماء مصر الأزهر**: مصر کے تین جلیل القدر علماء کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پر تحقیق کرنے کے سلسلے میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے گولڈ میڈل پیش کیا، جامعہ ازہر شریف میں منعقد ہونے والی اس انوکھی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال۔
تحریر: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ ہدیہ 15/00

(۵) **بساتين الغفران**: امام احمد رضا بریلوی کا عربی دیوان جسے جامعہ ازہر شریف کے استاذ ڈاکٹر سید حازم محمد احمد محفوظ نے مرتب کیا۔ ہدیہ 250/00

(۶) **من عقائد أهل السنة**: قرآن وحدیث اور ارشادات علماء کی روشنی میں عقائد اہل سنت اتنے مدلل اور موثر انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ کسی صاحب علم کیلئے مجال انکار باقی نہیں رہتی۔ عرب وعجم کے ارباب علم و دانش نے اس کتاب کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے انداز بیان مثبت اور آسان۔
(علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کے پُر وقار قلم سے) ہدیہ 210/00

من عقائد اھل السنۃ: کا اُردو ترجمہ ''عقائد ونظریات'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ہدیہ 150/00

(۷) **النبراس**: شرح عقائد کی مشہور اور اہم شرح از رئیس المتکلمین علامہ عبدالعزیز پرھاروی رحمہ اللہ تعالیٰ
بہترین کاغذ، طباعت، ڈا دار ۔ ہدیہ 270/00

اھل سنت وجماعت کی عربی مطبوعات

خود مطالعہ کریں اور دنیائے عرب کے علماء کو بطور تحفہ پیش کریں

(۱) الشیخ احمد رضا خان شاعراً عربیاً: امام احمد رضا بریلوی کی عربی شاعری پر لکھا جانے والا 720 صفحات پر مشتمل عربی مقالہ جس پر مقالہ نگار علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری کو دنیا کی قدیم ترین اور عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ ازہر شریف سے ایم فل کی ڈگری ملی۔ امام احمد رضا بریلوی پر عربی میں اتنی ضخیم شائع ہونے والی دنیا بھر میں پہلی کتاب۔ ہدیہ 450/00

(۲) الزمزمة القمرية: قصیدہ غوثیہ کی عربیت پر اعتراض کرنے والوں کا علمی محاسبہ۔
تحریر: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز۔ ترجمہ: علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری۔ ہدیہ 36/00

(۳) اقامة القيامة: کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے مستحسن ہونے پر دلائل کا سیل رواں۔
تحریر: امام احمد رضا بریلوی۔ ترجمہ ممتاز احمد سدیدی ازہری۔ ہدیہ 33/00

(۴) تکریم ثلاثة من علماء مصر الأزهر: مصر کے تین جلیل القدر علماء کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر تحقیق کرنے کے سلسلے میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے گولڈ میڈل پیش کیا۔ جامعہ ازہر شریف میں منعقد ہونے والی اس انوکھی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال۔
تحریر: علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری۔ ہدیہ 15/00

(۵) بساتين الغفران: امام احمد رضا بریلوی کا عربی دیوان جسے جامعہ ازہر شریف کے استاذ ڈاکٹر سید حازم محمد احمد محفوظ نے مرتب کیا۔ ہدیہ 250/00

(۶) من عقائد أهل السنة: قرآن وحدیث اور ارشادات علماء کی روشنی میں عقائد اہل سنت اتنے مدلل اور موثر انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ کسی صاحب علم کیلئے مجال انکار باقی نہیں رہتی۔ عرب وعجم کے ارباب علم ودانش نے اس کتاب کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے انداز بیان مثبت اور آسان۔
(علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری کے پُر وقار قلم سے) ہدیہ 210/00
من عقائد أهل السنة: کا اُردو ترجمہ "عقائد ونظریات" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ہدیہ 150/00

(۷) النبراس: شرح عقائد کی مشہور اور اہم شرح از رئیس المتکلمین علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ بہترین کاغذ طباعت وذا دار۔ ہدیہ 270/00